اصلاحِ معاشرت

اسبابِ فساد اور علاج کی تدابیر

از

مولوی محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ناشر

(منشی) انیس احمد غفرلہٗ

ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین رح نئی دہلی ۱۳

قیمت چار آنے
(پچیس ۲۵ نئے پیسے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاحِ معاشرت

اسبابِ فساد اور علاج کی تدابیر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

فضائل و محاسن خوبیوں اور بھلائیوں کے مجموعہ کا نام "مسلمان" تھا۔ اسلاف نے ان اوصاف کو اپنے میں پیدا کیا اور مسلمان کہلائے اخلاف کو یہ اوصاف ورثہ میں ملے اور انتہائی فراوانی کے ساتھ ملے مگر انھوں نے بزرگوں کے سرمایہ کو لٹایا اور نہایت بے دردی اور ناتجربہ کاری کے ساتھ لٹایا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا کہ اصلی سرمایہ دار تہیدست ہو گئے۔ تجوریاں اب بھی وہی ہیں مگر خس و خاشاک سے بھری ہوئی ہیں۔ صورت اب بھی وہی ہے مگر سیرت بدلی ہوئی۔ نام اب بھی وہی ہے مگر ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

اب یا تو اس نام کو بدلا جائے یا اس کی حقیقت کو معلوم کیا جائے اور مسمّٰی تک پہنچا جائے، نام کو بدلنا بھی دشوار اور اس خود فراموشی کے عالم میں حقیقت کو پانا اور مسمّٰی تک پہنچنا بھی دشوار ہے ؎

دُور ہے منزلِ عرفانِ خودی اور یہاں
بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خُدا یاد نہیں

پہلی ضرورت یہی ہے کہ ہوشیار ہوں، غفلت سے بیدار ہوں اور اپنی حالتِ زار کا احساس پیدا ہو۔ جو مریض اپنے کو توانا اور تندرست سمجھ رہا ہو اس سے علاج پر آمادہ ہونے کی کیا توقع؟ اور جب مرض کا مداوا نہ ہو تو صحت کی کیا اُمید؟

کہتے ہیں یہ سب "جدید تعلیم" کے اثرات ہیں۔ یہ کہنے اور سمجھنے والے ایک حد تک حق بجانب بھی ہیں مگر پورا الزام جدید تعلیم کے سر لگانا سراسر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہے۔ دراصل اس کے کچھ اور ہی بنیادی اسباب ہیں۔ ہاں مگر نئی تعلیم نے بھی اس پر روغن چڑھایا اور سونے پر سہاگہ کا کام دیا ورنہ اب سے پہلے بھی ہم نے غیروں کے علوم و فنون کو حاصل کیا اور انتہائی فراخ حوصلگی سے ان کو اپنایا، فلسفہ و منطق، ریاضی۔ نجوم۔ ہندسہ، طب، رمل، جفر وغیرہ سب دوسروں ہی کے سرمایہ ہیں جن پر ہم نے قبضہ جمایا تھا۔

قابلِ ذکر زبانوں میں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس کو مسلمانوں نے نہ سیکھا ہو۔ اور اس میں مہارت پیدا نہ کی ہو۔ پھر انگریزی زبان میں وہ کیا خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کو "شجرِ ممنوعہ" قرار دیا جائے اور اس کے زہریلے اثرات سے پناہ مانگی جائے؟

انگلش[1] محض ایک زبان ہے اور زبانوں کی طرح اس کو بھی سیکھنے اور سکھانے میں کوئی قباحت نہیں۔ بشرطیکہ دیگر زبانوں کی ہی طرح محض زبان دانی کے لئے اور اس سے صحیح کام لینے کے لئے اسکو حاصل کیا جائے۔ یعنی خود اس پر قبضہ جمایا جائے، اپنے کو اس کے قبضے میں نہ دیا جائے، ہمارے اسلاف نے اغیار کی جن چیزوں کو حاصل کیا انکو پہلے اپنایا، اپنے رنگ میں رنگین کیا اور پورے طور پر اسلامی رنگ چڑھا کر اسلام کا خدمت گزار بنا دیا۔ آج جس زبان کو ہم سیکھ رہے ہیں، اسکو اپنانے کے بجائے خود اس کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔ اسی میں رنگے جا رہے ہیں۔ اپنا رنگ اتر رہا ہے، دوسروں کا رنگ چڑھ رہا ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنی ہستی کھو بیٹھے، اور دیکھنے والے کو ہمارے اندر غیر کا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ گھر ہمارا انگریزی۔ لباس ہمارا انگریزی صورت ہماری انگریزی کھانا ہمارا انگریزی غرض ہر جگہ ہر بات میں فرنگیت موجود اور اسلامیت مفقود۔ پھر اگر اسلام مٹ رہا ہے تو اس میں

---

[1] ہندی کے متعلق بھی یہی سمجھنا چاہیئے۔

قصور کس کا؟ ہم خود ہی اپنے کو مٹا رہے ہیں۔ اور خود ہی واویلا کر رہے ہیں۔ "از ماست کہ بر ماست" آزادی کے خواہشمند جب تک ان بندھنوں سے آزاد نہ ہوں گے خودمختار نہ ہوں گے جس رگ و ریشہ میں غلامی سمائی ہوئی ہو۔ بال و پر میں طاقتِ پرواز نہ ہو اس کو کوئی کس طرح آزاد کر سکتا ہے۔

اسلام کا عروج اور سربلندی اسلامی باتوں کے عروج اور سربلندی پر موقوف ہے۔ جب خود مسلمان ہی اسلامی باتوں سے کنارہ کش ہو رہے ہوں تو اسلامی سربلندی ان سے ہمکنار نہیں ہو سکتی اور زبردستی یہ دولت ان کے سر نہیں تھوپی جا سکتی۔ ہاں خدا کو اپنے دین کی حفاظت ضرور کرنی ہے۔ اگر ہم دین کو چھوڑ دیں گے تو وہ کسی دوسری قوم کو بھیجیگا جو اس نعمت کی قدر کرے گی اور اس کے دین کی نگہبانی کرے گی۔ اور صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کی مستحق ہوگی۔ اور ہماری طرح بے کردار اور بے پروا نہ ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ	اور اگر تم دین سے پھر جاؤ گے تو بدل دیگا اللہ کسی قوم کو تمہارے سوا پھر
(سورہ محمد)	نہ ہوں گے وہ تم جیسے۔

پہلے زمانہ میں بھی شاگرد استاد سے بوعلی سینا۔ ارسطو اور فارابی کی خرافات پڑھتا تھا مگر جب گھر پہنچتا تو سارے ماحول کو اسلامی پا تا دردیوا

تک پر اسلامی رنگ دیکھتا۔ اس لئے ماحول کے اثرات ہی غالب رہتے۔

لیکن آج شاگرد استاد سے درس قرآن لے کر گھر لوٹتا ہے تو سارے ماحول کو غیر اسلامی پاتا ہے۔ ہر چیز میں فرنگیت کا رنگ دیکھتا ہے۔ اس لئے اسی میں خود بھی گم ہو جاتا ہے۔ ع

ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد

ماحول اور سوسائٹی کے اثرات کا مقابلہ صرف علمی باتوں اور اچھی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے نہیں ہو سکتا۔

پہلی تربیت گاہ اور اول درسگاہ بچوں کا اپنا گھر اور والدین کی آغوش ہے۔ گھر والے بچوں کو جس رنگ میں چاہیں رنگ سکتے ہیں۔ جس سانچہ میں چاہیں ڈھال سکتے ہیں۔ بگاڑ بھی سکتے ہیں سنوار بھی سکتے ہیں، یہ ابتدائی نقوش انمٹ نشان ہوتے ہیں جو سدا کو ساتھ رہتے ہیں اور پوری تعلیم و تربیت بلکہ ساری زندگی اسی کے موافق ڈھلتی جاتی ہے۔ جب یہ نقوش اولین ہی بدنما داغ ہوں اور اصلی تربیت گاہ ہی تمام خرابیوں کا گہوارہ ہو تو پھر آئندہ صلاح و فلاح کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے اس گہوارہ کو سنوارا جائے اور اپنے گھروں کو درست کیا جائے تاکہ ہر بات سے اسلام اور

اسلامی شان نمایاں ہو۔ اور ہر چیز پر اسلامی رنگ غالب ہو۔ پھر بچوں پر یہ رنگ چڑھے گا اور ایسا چڑھے گا کہ کوئی مخالف سے مخالف تعلیم انشاء اللہ اس رنگ کو مٹا نہ سکے گی۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اس خانہ بربادی کے اسباب کیا ہیں؟ اور کن راستوں سے یہ آفتِ ناگہانی ہمارے گھر میں داخل ہوئی ہے تاکہ ان اسباب کو ترک کیا جائے اور ان راستوں کو مسدود کیا جائے۔

فساد اور گمراہی کے راستے

(۱) ناول، افسانے، ڈرامے وغیرہ

سب سے بڑی آفت جو شریف خاندانوں پر نازل ہوئی مخربِ عادات ناول اور افسانے ہیں ڈاک کی سہولتوں نے ان رسالوں کو ہر شہر ہر قصبہ ہر گاؤں میں گھر گھر پہنچا دیا جس کی باعث شاذ و نادر ہی کوئی قدامت پسند گھر ایسا نکلے گا جو ان کی گمراہی سے محفوظ ہوگا ورنہ تقریباً ہر جگہ آپ ان کے مسموم اثرات پائیں گے جو بڑوں اور چھوٹوں کے دل و دماغ کو ماؤف کئے ہوئے ہیں۔

عموماً ان ادبی افسانوں میں زندگی کا ایسا شرافت سوز مگر دلکش اور ساتھ ہی محض فرضی تخیل ذہن نشین کرایا جاتا ہے جو شاذ و نادر ہی

کسی کو نصیب ہو۔ انہی خیالات اور جذبات کے ساتھ دماغ کی پرورش ہوتی ہے۔ دلی آرزو ایسی خوشگوار عشقیہ زندگی کی ہوتی ہے جس کا ہونا دشوار گذار۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ساری خیالی آرزوئیں خواب پریشان ثابت ہوتی ہیں اور ساری زندگی انتہائی تلخی اور بدمزگی کے ساتھ گذرتی ہے۔ یہ وہ اثر ہے جو ہو کر رہتا ہے۔ حسن و عشق کی روز افزوں داستانیں، بے عصمتی، بے حرمتی، بے حیائی کی وارداتیں جو آئے دن کانوں میں پڑ رہی ہیں۔ انہی ادبی افسانوں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

میں اس سے ناواقف نہیں ہوں کہ فی نفسہٖ افسانہ نویسی یعنی کسی مقصد کو قصہ اور سرگذشت کی شکل میں پیش کرنا بُری چیز نہیں ہے۔ بُرائی جو کچھ ہے وہ ان افسانہ نگاروں کی بے راہ روی اور بدذوقی سے پیدا ہوتی ہے جو صحیح اسلامی علم و فہم اور سلامت ذوق سے تہی دست ہیں۔ خود فاسد ماحول کی پیداوار ہیں اور اس لئے ان کے افسانے روح اسلامی کے لئے صرف زہر ہی پیدا کرتے ہیں۔ عموماً ان میں آوارہ جذبات کو برانگیختہ کیا جاتا ہے۔ اور برائیوں کو خوبیوں کے رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے جس سے یہ نتائج عام طور پر پیدا ہو رہے ہیں

(الف) بدچلنی۔ بدکاری۔ بے حیائی۔ مکاری۔ عیاری پھیل رہی ہے

(ب) افکار و خیالات گندہ و پراگندہ ہو رہے ہیں۔
(ج) افکار کی پراگندگی کی وجہ سے خانگی زندگیاں تباہ و برباد ہو رہی ہیں۔
(د) طرزِ تمدن اور طرزِ معاشرت بگڑ رہا ہے۔
(س) غور و فکر، فہم و فراست، عقل و شعور کا مادّہ فنا ہو رہا ہے۔
(ص) مذہبی، علمی، اخلاقی ذوق کم ہو رہا ہے۔ تفریحات اور خرافات کا شوق بڑھ رہا ہے۔

ایک اور فتنہ عظیم ان افسانوں سے پہنچا جو آج ملّت اسلامیہ کے لئے ناقابل عبور مشکل بنا ہوا ہے اور وہ ازدواجی زندگی کا مرحلہ ہے جس کا آج بالکل معیار پلٹا ہوا ہے۔ مرد کو بیوی نہیں ایک نازنین رقاصہ کی ضرورت ہے۔ عورت کو خاوند نہیں ہیرو درکار ہے۔ نہ ..... شریف زادوں کی کہیں پوچھ اور شریف زادیوں کی کوئی قدر و قیمت نہ والدین کی پروا نہ خاندان کی عزت و آبرو کا خیال۔ جہاں نگاہ لڑی وہیں جنونِ عشق پیدا ہوا اور شریک زندگی ہونے کا عہد و پیمان ہو گیا۔

یہ مصیبت بھی کوئی معمولی مصیبت نہیں۔ شرافت و انسانیت کا سراسر خاتمہ ہے مگر معاملہ اور آگے بڑھتا ہے چند روز میں طرفین

سے یہ عشق کا بھوت اتر جاتا ہے۔ پھر باہم بگاڑ شروع ہوتا ہے۔ بدمزگیاں ہوتی ہیں، ناچاقی بڑھتی ہے۔ ناچار مرد کا گوشۂ التفات دوسری جانب ہو جاتا ہے۔ عورت بھی کسی اور کو انتخاب کر لیتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ میرے قلم میں یارائے تحریر نہیں۔ مختصر یہ کہ جو نہ ہونا چاہیئے نعوذ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ تاثیر ہے، ان افسانوں کی اور ستم ہے افسانہ نگاروں کا۔

(۲) ریڈیو، گراموفون

جس مسلمان کے پاس کچھ سرمایہ ہو جائے یا خوش قسمتی سے کوئی معقول ملازمت مل جائے اس کے یہاں بجائے شکرانۂ نعمت الٰہی کے ان آلات لہو ولعب کا ہونا ضروری ہے۔ گویا یہ بھی آسودگی کی علامت ہے اور ترقی کا معیار ہے۔ پھر گھر کے چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت، لڑکے اور لڑکیاں، باپ، بھائی، بیٹے اور بیٹیاں غرض سب مل جل کر ان کے ذریعہ عشقیہ غزلیں۔ فحش گانے اور گندہ مذاق سب ہی کچھ سنتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ گانے والیوں کو داد دی جاتی ہے۔ فحش باتوں پر ہنسی اور قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ نہ بڑوں کا ادب ملحوظ ہوتا ہے نہ چھوٹوں کا پاس۔ سب ایک ہی قسم کے جذبات میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے۔ وہ وقت بے شک تفریح اور دلچسپی سے گذر جاتا ہے۔ مگر یہ وقتی تفریح

آئندہ بڑے بڑے مفاسد کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ:۔

(الف) بڑوں کا ادب لحاظ سب کافور ہو جاتا ہے۔

(ب) شرم وحیا۔ غیرت وحمیت مفقود ہو جاتی ہے۔

(ج) باہمی برتاؤ میں بڑے چھوٹے باپ بیٹے کا امتیاز نہیں رہتا۔

(د) تلاوت قرآن پاک۔ ذکر الٰہی درود و استغفار جو ہزاروں رحمتوں اور برکتوں کا باعث بنتے۔ طبائع ان سے ہٹ کر بے ہودہ مشاغل کی عادی ہو جاتی ہیں۔

(س) جو وقت مذہبی معلومات۔ علمی تحقیقات ادبی نظریات میں گزرنا چاہئے تھا وہ ان فضولیات میں گزرتا ہے۔

(۳) تھیٹر، سینما، بائسکوپ | جن میں وہ حیاسوز غیرت شکن مناظر پیش کئے جاتے ہیں

جو شرافت و انسانیت کا یکسر خاتمہ کر دیتے ہیں مگر جوانوں، نوجوانوں بچوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں سب کے لئے یہ شوق اتنا عالمگیر ہو گیا ہے کہ جزوحیات اور زندگی کا لازمی مشغلہ شمار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں یہ آزاد خیالی ہے مگر درحقیقت "گھر پھونک تماشہ دیکھ" کا پورا پورا مصداق ہے۔ دولت تو برباد ہوتی ہے ساتھ ساتھ شرافت و انسانیت کا بھی خون ناحق ہوتا ہے۔

ان کھیلوں میں ہر وہ بات منظرِ عام پر آجاتی ہے جس کو اس ماحول سے نکلنے کے بعد برسرِ بازار کوئی رذیل سے رذیل آدمی بھی دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ تعجب ہے جو مناظر برسرِ بازار شرافت و انسانیت کے سراسر خلاف ہیں وہ سینما ہال میں کیونکر مستحسن ہو جاتے ہیں سخت حیرت ہے اگر اس قسم کی کوئی نازیبا حرکات کسی کی بہو بیٹی کے سامنے کر بیٹھے تو انتہائی کمینہ پن اور رسوائی کی بات ہے جو ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، مگر انہیں حرکات نازیبا کو بہو بیٹیوں لڑکوں اور لڑکیوں کو خود لے جا کر سینما میں دکھلانا عین شرافت اور تہذیب و تمدن کی ترقی سمجھا جاتا ہے یہ فلسفہ ہی نرالا ہے یا دماغ کی بے شعوری کا نتیجہ؟

ایک ایکٹریس اپنے حسن فروشی کے جنون میں ہر وہ حرکت کر گزرتی ہے جو نہ کرنا چاہیئے تھی اس لئے کہ وہ اپنی عزت و حرمت کو مال و زر پر قربان کر کے اس میدان میں آئی ہے۔ اب وہ جو چاہے کرے اس کو کسی ملامت کی پروا نہیں۔ افسوس اور حیرت ان لوگوں پر ہے جو اپنی جیب سے روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ خود بھی ان رسوا کن عادتوں کو سیکھتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی سکھاتے ہیں۔ پھر اگر کوئی منچلا لڑکا یا لڑکی اس سبق کا عملی تجربہ کرنے لگتا ہے تو سر پیٹ کر روتے ہیں۔

میرے خیال میں ہر عیاشی سے بدتر یہ شوق رنگین ہے اسلئے

کہ اس کے ذریعہ ہر عیاشی کا چسکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اچھی طرح اس کے طور و طریق سیکھ لیتا ہے اور اس نظری اور دماغی عیاشی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے کبھی بھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا۔ اس راہ سے جو بے راہ روی پیدا ہو رہی ہے سراسر ہلاکت و بربادی کی طرف لے جا رہی ہے مثلاً:۔

(الف) عزت و حرمت، عفت و عصمت کی بربادی۔

(ب) سرمایہ دولت، سرمایہ وقت، سرمایہ زندگی (دل و دماغ) کی بربادی۔

(ج) صحت جسمانی اور روحانی کی تباہی۔

(د) بیحیائی بے غیرتی۔ بد اطواری۔ بدکرداری کی پوری تعلیم۔

پھر مال و زر کی ہوس میں شریف زادیاں خاندانی عزت و آبرو کو خاک میں ملا کر اسٹیج کی پری بنی ہیں۔ کمپنی کے ایجنٹ اور دلال بہلا پھسلا کر اور سبز باغ دکھا کر ان کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ . . . . سکوں کی خاطر یہ آتشیں کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ضرورت زمانہ کو دیکھکر اب تو بعض اسکولوں نے بھی اس کی باقاعدہ تعلیم شروع کر دی ہے اور مزید ہمت افزائی کا کام ہمارے ادبی رسالے انجام دے رہے ہیں۔ ان ایکٹرسوں کی تصاویر شائع کی جاتی ہیں۔ تعریف و تعارف کرایا جاتا ہے۔ گویا یہ بے عزتی اور بے غیرتی کی زندگی بھی کوئی بڑا کارنامۂ حیات ہے جس کی جانب صنفِ نازک کو دعوت دی جا رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہی رسالے۔ یہی تمثیلی تماشے (سینما وغیرہ) یہی ریڈیو۔ اصلاح کا کام بھی کر سکتے ہیں۔ بہترین تخیلات۔ مفید رجحانات کارآمد جذبات پیدا کر سکتے ہیں مگر ہماری بدقسمتی سے بجائے پبلک اصلاح کاروں کے یہ محض تجارتی ادارے بن گئے اب لامحالہ ان کو پبلک کے عام رجحانات اور خواہشات کا اتباع کرنا پڑا۔ اگر عام پبلک کے رجحانات اور جذبات درست ہوتے تو ہرگز انکو اس غلط روی کی جرأت نہ ہوتی اور اصلاحی کارناموں میں پیش پیش ہوتے۔ مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ اگر کوئی اصلاحی طریق اختیار کرلے تو اس پھیکے پکوان کا کوئی قدردان نہیں۔

(۴) **فیشن** صفائی و ستھرائی، تمیز اور سلیقہ معیار شرافت اور انسان کا خصوصی شعار ہے۔ یہ سب اوصاف ارزاں بھی میسر ہو سکتے ہیں اور گراں بھی انکو اپنی حدود مقدرت سے وسیع کرنا خود کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اور محض اسراف اور فضول خرچی ہے۔ یقیناً اپنے کو پاکیزہ رکھنا معیار شرافت ہے مگر جسم کو گراں بار بنانا اوچھاپن اور سراسر حماقت و نادانی ہے۔

ہم نے یورپ کو نئی نئی آرائشوں سے آراستہ پایا اور پہلے اس سے کہ انکے آمد و خرچ کا جائزہ لیتے۔ اپنی حالت کا انکی حالت سے موازنہ کرتے

ہم نے بھی ایندروپ بدل ڈالا بفلسی ہیں سرمایہ داروں کی نقالی رنگ لائی جو کچھ شکم پُری اور تن پروری کا سامان تھا سب تن پوشی اور آرائش وزیبائش کی نذر ہو گیا۔ آج جس شخص کو بھی دیکھیئے بظاہر خوشحال اور بہ باطن پریشان خاطر آمدنی معقول مگر گزارہ مشکل، جو جس رقبہ پر ہے اسکی آمدنی اسکی حیثیت کے اخراجات سے بہت کم، ہزاروں روپیہ کماتا ہے پھر بھی اطمینان اور بےفکری نصیب نہیں، ایک مفلس وفادار شخص اپنے لمحاتِ زندگی بےفکری اور اطمینان کے ساتھ گذار سکتا ہے مگر ایک باحیثیت شخص اپنی ضروریات زندگی کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتا ہے اور ع :۔

آنانکہ غنی تراند محتاج تراند

کا پورا مصداق ہوتا ہے اور یہ سب نتیجہ ہے اس کا کہ ہم نے اسلامی سادہ اور ارزاں معاشرت کی ناقدری کی اور یورپ کی گراں معاشرت کو پسند کیا۔ اگر ہم اسلامی سادہ معاشرت پر قائم رہتے تو خود بھی اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کرتے اور باہم وہ مساوات یکرنگی پیدا ہوتی کہ تمام اقتصادی مسائل کی الجھی ہوئی گتھیاں خود بخود سلجھ جاتیں۔

آج ہمارا معیار زندگی اسقدر بلند ہو گیا ہے کہ عوام کے ساتھ کوئی صوری مناسبت باقی نہیں رہی اور افتراق کی ایسی گہری خلیج درمیان میں حائل ہو گئی جس کا پاٹنا ناممکن نظر آرہا ہے۔ اب یا تو پوری قوم کے معیار

زندگی کو بلند کیا جائے مگر قوم کا افلاس اس غلط اقدام کی ہرگز اجازت نہیں دیتا یا پھر اپنا معیارِ زندگی بدلا جائے اور اپنی اسی سادہ زندگی کو اختیار کیا جائے تاکہ پھر یک رنگی اور یک جہتی پیدا ہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے باہم مساوات اسی طرح قائم کی کہ امیروں کو غریبوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور ایک دوسرے کا بھائی ہمدرد اور غمگسار بنا دیا۔ پھر نہایت سہولت کے ساتھ دولت کی صحیح تقسیم ہو گئی اور ہر شخص کی ضرورت بآسانی پوری ہونے لگیں۔ ورنہ تمام غریبوں کو امیر بنا دینا کسی کے بس کی بات نہیں۔

صحابۂ کرام نے اپنی زندگی سے اس کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ وہاں امیر المومنین سے لیکر ادنیٰ غلام تک ہر ایک یکساں نظر آتا تھا اور امارت و عزت کا کوئی ظاہری امتیاز نہ تھا۔ آج باپ اور بیٹے کے لباس میں فرق ہے جس کی وجہ سے چھوٹے اپنے خاندانی بزرگوں کے وقار کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ بسا اوقات انکو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پاس ادب، لحاظ و ملاحظہ سب ندارد اور فرقِ مراتب مفقود۔ غرض یہ ترقیٔ معکوس وبالِ جان بن رہی ہے اور جو سرمایہ قرابت داروں اور ضرورتمندوں اور محتاجوں کی خبر گیری میں صرف ہونا چاہئے تھا وہ ظاہری آرائش و زیبائش میں ضائع ہو رہا ہے۔ اس غلط روی سے خود بھی ہر وقت

کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اور دوسروں کو بھی مصائب و مشکلات کا شکار بنا رکھا ہے۔ ظاہر پر نظر ہے اور خرابیاں نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

سب سے زیادہ ظلم اولاد پر ہو رہا ہے فرطِ محبت یا نادانی سے ان کی ابتدائی پرورش اس اعلیٰ پیمانہ پر کی جاتی ہے جس کی بعد میں انکی آمدنی کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتی۔ خیالی خواب ڈپٹی کلکٹری اور ڈپٹی کمشنری کا ہوتا ہے جسکی بنا پر سارا اثاثہ اسکے فیشن پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں بالعموم غریب کے مقدر میں دفتر کی کلرکی ہوتی ہے۔ بال بچوں کا خرچ ہوتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت ہوتی ہے۔ اپنی پوزیشن اور سوسائٹی کا خیال۔ غرض ایک جان ہوتی ہے اور ہزاروں مشکلات اور اخراجات۔ جو شخص زمانہ تعلیم میں تیس چالیس روپیہ ماہوار فضول اخراجات میں صرف کرنیکا عادی ہو وہ پچاس ساٹھ میں پوری خانہ داری کا بوجھ کس طرح اٹھا سکتا ہے بمشکل گذارہ کرتا ہے اور عمر بھر مقدر کو روتا ہے۔ اور کیوں نہ روئے جبکہ اسکو ان اخراجات کا عادی بنا رکھا ہے جنکو پورا کرنے کیلئے معقول آمدنی بھی کافی نہیں یہ اولاد کیساتھ محبت ہے یا دشمنی؟ اگر پیار اور محبت میں اگر بچے کے انگریزی بال رکھدیئے اور کوٹ نیکر پہنا دیا تو بظاہر تو کوئی قصور اور جرم نہیں لیکن نگاہِ حقیقت بیں میں صریح ظلم ہے۔ اس نادان بچے پر جسکی زندگی کا رُخ بدل دیا گیا اور طبیعت کے رجحانات پلٹ دئے گئے۔ اب وہ کھویا گیا۔ اور عمر بھر کے لئے کھویا گیا۔

اس سے بڑھکر ظلم لڑکیوں پر یہ ہو رہا ہے کہ انکو فیشن کا اسقدر عادی اور شوقین بنا دیا جاتا ہے اور بچپن میں اسقدر وسیع اخراجات کر دیئے جاتے ہیں کہ بعد میں خاوند پر بار ہو جاتی ہیں۔ خاوند کی ساری آمدنی فیشن کی نذر ہو جاتی ہے۔ ناچار نا اتفاقی اور بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی وبال جان ہو جاتی ہے مگر بیوی اپنے اخراجات کی اسقدر عادی ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات اسکی خاطر حسن فروشی سے کام لیتی ہے اور یہ بات تو عام طور پر پائی جاتی ہے کہ اس فیشن کی خاطر مذہبی جذبات۔ مذہبی رجحانات مذہبی خیالات، مذہبی اخلاقی علمی باتوں سے لگاؤ کے بجائے سارا وقت بناؤ سنگار اور آرائش و زیبائش میں گذر جاتا ہے۔ کبھی اسکی فرصت نہیں ہوتی کہ بے فکری اور اطمینان خاطر کے ساتھ تلاوت قرآن ذکر الٰہی اور درود و استغفار یا مذہبی تعلیم میں مشغول ہوں۔

میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایکدم معاشرت میں ساری تبدیلیاں ہو جائیں کش مکش ہائے روزگار، اور موجودہ دور کی مجبوریوں سے میں بھی بے خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس فساد کی اصلاح کی فکر کی جائے۔ ورنہ اگر یہ گاڑی اسی رفتار سے چلتی رہی تو اس کی انتہا یقیناً ہلاکت و بربادی پر ہو گی۔

پھر اصل سجاوٹ باطن کی سجاوٹ ہے، اخلاق و عادات کی

سجاوٹ ہے، جسم کی سجاوٹ بھی اسی وقت بھلی معلوم ہوتی ہے جب باطن صاف ستھرا اور اخلاق و عادات پاکیزہ ہوں ورنہ گندگی رہیگی چاہے اس کو آبنوس کے مخملی صندوقچے میں رکھدیا جائے۔

اس کے لئے سب سے پہلے اونچے طبقے کے لوگوں کو ایثار کرنا ہوگا۔ اگر اعلیٰ طبقہ ایثار اور قربانی سے کام لے اور سادہ معاشرت اختیار کرلے تو انکی عزت و آبرو اور بڑائی پر کوئی حرف نہ آئے گا۔ اور انکو دیکھکر دوسرے لوگ خود بخود سادگی کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

(۵) عورتوں کی آزادی اور بےحجابی افسوس اس فتنۂ عظیم کی بھی ابتداء ہو گئی اور بڑی تیزی کے ساتھ یہ سیلابِ بلا امنڈ رہا ہے ہم نے جب غیر اقوام کی عورتوں کو زینت آرائے محفل اور بازاروں کی رونق افزا دیکھا تو ان ظاہری مناظر سے متاثر ہو کر ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور بلا خوف و خطر اپنی بہو بیٹیوں کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ یہ چنگاری وقتی طور پر ضرور خوشنما معلوم ہوتی ہے مگر انجام کار جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

عورت ایک گوہر بے بہا تھی جس سے مقصود شوہر کی روحانی تسکین تھی مگر اس نے منظرِ عام پر آکر اپنی تمام قدر و قیمت کو کھو دیا۔ یورپ مادہ پرست ہے وہ اس روحانی جوہر کی کیا قدر کرتا۔ چنانچہ مادی فوائد

اور منافع کی خاطر جنس لطیف کو بر سر بازار رسوا کیا۔ مسلمان کہلانے والے یورپ زدہ طبقے نے اس اچھا سونا اور عبرت شکن چلن میں بھی تقلید کی انہوں نے بھی اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں کو ایک بازاری جنس بنانا گوارا کیا اور ایک "صلائے عام" شروع ہوگئی کہ قومی ترقی اسکے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مگر سب نے دیکھ لیا کہ شرافت و اسلامیت تو ہاتھ سے گئی ہی تھی قوم نے بھی کوئی ترقی نہیں کی ؎

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے

مفت سب مفت میں کھو بیٹھے نادان رہے (اکبر الٰہ آبادی)

جس کی نگاہیں سینکڑوں کا انتخاب کرتی ہوں اور ہزاروں نگاہیں اسکی حسن و خوبی کو چرائی ہوں وہ کبھی ایک کی ہو کر نہیں رہ سکتی۔ ایک کا ہو رہنے کی اولین شرط یہ ہے کہ غیر سے نگاہیں نبلہ ہوں۔ جب غیر نگاہوں کے ذریعہ دل میں اتر گیا اور ضرور اثر لگا یا قصد اور ارادہ کے اثر لگا تو پھر لطفِ یکتائی کہاں رہا؟ جب حقیقی لطف ہی نہیں تو تسکین روح اور اطمینان خاطر کیونکر نصیب ہو؟ یہی وجہ ہے کہ جو سکون و قرار گھر کی چہار دیواری میں نصیب ہوتا تھا وہ آج بیقراری اور بے اطمینانی کے بدل گیا اور گھر بجائے راحت کدے کے غم کدہ بنگئے۔ اگر گھریلو زندگی کا لطف کہیں ہے تو صرف انہیں گھرانوں میں جو خوش قسمتی سے اس تہذیب ترقی کے دور میں

سخت حیرت عورتوں کی کج فہمی پر ہے کہ وہ اپنی اس ذلت و رسوائی کو ترقی اور آزادی سمجھ رہی ہیں۔ اسلام نے بیوی کو شوہر کے دل کی مالکہ اور گھر کی ملکہ بنایا تھا مگر اب اس کی حیثیت تفریحی کھلونے سے زائد نہیں جب دل بھر گیا بیکار کر پھینکا، یا پھر ایک خوبصورت تصویر ہے جس سے شوہر کے احباب دل بہلائیں۔ اگر یہی اس جنس کی ارزانی رہی تو پھر وہ وقت کچھ دور نہیں جب اس جنس کے خریدار بہت ہونگے، مگر قدر دان کوئی نہ ہوگا یورپ کی سرزمین اسکی زندہ مثال ہے۔

یہ صرف پانچ امور کی جانب اجمالی اشارہ ہے۔ اس قسم کی اور بھی وجوہ بیان ہو سکتی ہیں اور ان سے بڑھکر خرابیاں ان سے پیدا ہو رہی ہیں لیکن علاج کا ارادہ کرنیوالوں کیلئے انہی امور پر غور کر لینا بھی کافی ہے۔

اسلام نے ایک نرالا نظریۂ زندگی۔ انوکھے جذبات اور رجحانات انسانوں کو عطا کئے تھے جو ملکوتی اور جبروتی تھے اور سراسر روحانیت تھے اور ساری مادیت اس روحانیت کے تابع اور مطیع و فرمانبردار تھی اور یہی معیار تھا شرافتِ انسانی کا اور امتیازی شان تھی ایک مسلمان کی۔ مرور زمانہ اور اپنی غفلت و مدہوشی سے یہ زنگ آلود ہو گئے۔ ایسی حالت میں سابقہ پڑا مادہ پرست قوم سے وہاں جو کچھ تھا سب مادی تھا روحانیت کا شائبہ تک نہ تھا نظریۂ زندگی مادی جذبات

مادی رجحانات مادی، خیالات مادی، غرض ہر شے اسلامی نظریات کے مخالف اور متضاد بنی۔ اسلامی نظریات پہلے ہی سے زنگ آلود اور زنگا ہو سے اوجھل تھے ہم نے بجائے اس کے کہ انکو صیقل کرتے اور جلا دیتے ان مادی نظریات کو اپنا لیا اور اتنا اپنا لیا کہ بالکل انکے ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ روحانی نظریات اس قدر زنگ آلود ہو گئے کہ اب انکا وجود عدم برابر ہے۔ اور اس میں اور مادہ پرستوں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔ لامحالہ ہم بھی وہی کرنے لگے جو انکو کرنا تھا۔ جب ہمارے دل و دماغ کے سانچے ہی بدل گئے تو اپنی ہر چیز بدنما معلوم ہونے لگی۔ اب جو کچھ دیکھتے ہیں غیروں کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں غیروں کو دیکھکر کرتے ہیں۔ اپنی سب ادائیں نسیاً منسیا ہو گئیں اور اسلامیات ساری کی ساری چھوڑ دی گئیں۔ اگر کچھ اسلامی باتیں باقی ہیں تو محض رسمی طور پر۔

ظاہر ہے کہ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندگی کے رُخ کو بدلا جائے اور ان زنگ آلود جواہرات کو صیقل کیا جائے۔ اگر معیار زندگی کو نہ بدلا گیا تو اپنے مٹے ہوئے نشانات کا پانا دشوار ہوگا۔ جب دیکھنے والی نگاہیں نہ ہوں گی تو دکھائی کیسے دیں گی؟ اگر کوئی لکھے بتانے والا ابتا ئے گا بھی تو دل اس کو قبول نہ کریگا۔ اگر دل پر بھی جبر کر لو

تب بھی سخت دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ دونوں نظریات بالکل متخالف اور متضاد ہیں۔ دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال، اسلئے قدم قدم پر ٹکراؤ ہوگا۔ اور سخت مشکل اور کش مکش پیش آئیگی۔ بس اصل ترین تدبیر یہی ہے کہ اس نظریۂ زندگی کو چھوڑا جائے اور اسلامی نظریات کو اختیار کیا جائے۔ پھر بھلائی اور برائی کی اصلی حقیقت واضح ہوگی اور طبیعت خود بخود بھلائی کی خوگر اور برائی سے متنفر اور بیزار ہوگی۔

اس کے لئے کسی بڑے ایثار اور قربانی کی ضرورت نہیں نہ جاگیروں اور زمینوں کو چھوڑنا ہوگا۔ نہ ملازمتوں اور تجارتوں کو برباد کرنا ہوگا نہ مال و زر کا صرفہ ہوگا نہ کوئی محنت و مشقت کا کام۔ صرف دل کی دنیا کو بدلنا ہے اور نیت اور ارادہ کو ٹھیک کرنا ہے۔ جو کام طبعی خواہش کے تقاضے سے کیا جاتا ہے وہی کام خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے حکم کے موافق کرنا ہوگا۔ کام ایک ہی کرنا ہے اگر نفس کے تقاضے سے کیا جائے اور خدا کے حکم کی پرواہ نہ کی جائے تو سرکشی اور کفران ہے۔ اور خدا کے حکم سے خدا کی رضا کے لئے کیا جائے تو بندگی اور عین ایمان ہے۔

اب ہم عبادت بھی کرتے ہیں تو اس میں نفسانی اغراض شامل ہوتی ہیں۔ پھر حکمرانی اور جہاں بانی بھی کریں گے تو یہ بھی خدا کی رضا

کے لئے ہوگی اور عین جہادت ہوگی۔ کام کچھ مشکل نہیں بس ذرا سا دل پر جبر کرنا ہے۔ اور اس کے رُخ کو سیدھا کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر خودی کو چھوڑنا اور خدا کا ہو جانا۔

اصلاحی تدابیر

ہر کام خواہ کتنا ہی معمولی اور سہل ہو ابتدا میں کچھ دشواریاں رکھتا ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی سختیوں کا خوگر ہو چکا ہو پھر بھی اسے ہر نیا کام دشوار نظر آتا ہے۔ اور یہ دشواریاں درحقیقت اس کے ارادہ اور ہمت کی کمزوری کا عکس ہوتی ہیں۔ اگر ارادہ میں پختگی ہو تو پھر کوئی دشواری دشواری نہیں۔ اس لئے ابتدائے کام میں دشوار گذار گھاٹیاں نظر آئیں گی اور راستہ روکیں گی۔ مگر صبر اور استقلال اور ارادہ کی پختگی سب کو دھواں بنا دے گی اور راستہ سہل اور صاف ہو جائیگا۔ انسان کی اصل فطرت نیکی اور نیک روی ہے۔ مگر بدی کے پورے جذبات بھی اس میں پائے جاتے ہیں جن کو ابھارنے کے لئے دو قوتیں نفس، شیطان پیدا کئے گئے۔ پھر ان دونوں قوتوں کے مقابلہ اور اصل فطرت کے نشو و نما کے لئے ایک زبردست قوت انسان کو عطا کی گئی ہے۔ اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا محکم

یقین واذعان ہے۔ تو گویا یہ کلمہ اصل فطرت کے اُبھار اور نشوونما کے لئے مقناطیسی آلہ بھی ہے اور غیر فطری جذبات کے دفعیہ اور نفس وشیطان کے مقابلہ کے لئے فولادی ہتھیار بھی ہر قوت اسکے سامنے سرنگوں، پس جو اس قوت کے ساتھ جس قدر وابستہ ہوگیا اسی قدر اُبھرا۔ بڑھا اور چمکا۔ اور دنیادی قوتیں اس کے روبرو زیر ہوئیں اور جو اس قوت کے مدِمقابل آیا پاش پاش ہوا۔

اس کلمہ کے یقین کو دل میں پیدا کرنا ہے اور اس حد تک پیوست کرنا ہے کہ رگ وریشہ میں سما جائے۔ پھر انسان کی زندگی کا نرالا دور شروع ہوتا ہے اور وہ پرواز نصیب ہوتی ہے کہ ہفت افلاک بھی زیر دکھلائی دینے لگیں۔

یہ ہے دل کی دنیا کا انقلاب جس کے لئے پہلے خفتہ دل کو جگانا ہوگا۔ سنگدل کو تڑمانا اور گرمانا ہوگا۔ کچھ باتوں کو کرنا اور کچھ کو چھوڑنا ہوگا۔ اور یہی فرق ہے مومن اور کافر کے درمیان۔ کافر چونکہ اس حقیقت کا منکر ہوتا ہے اسلئے بظاہر آزاد ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ مومن چونکہ اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا حرکت و سکون حکم خداوندی کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور حکم خداوندی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھانے کی جراءت نہیں کرسکتا۔ اسی فرق کی جانب اس

حدیث میں اشارہ ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ لِلْکَافِرِ
یعنی دنیا مومن کے لئے بمنزلہ قید خانہ کے ہے اس لئے کہ اسکو ہر کام میں حکم خداوندی کی پابندی لازمی ہے۔ اور کافر کے لئے بمنزلہ باغ و بہار کے ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے کو احکام خداوندی سے آزاد سمجھ رکھا ہے اور مجرم و خود مختار بنا ہوا ہے۔

اب جبکہ اسلام اور کفر کے مقتضیات زندگی، تصورات اور اعمال سب جُدا جُدا ہیں تو لامحالہ ہمیں کفر کی باتوں کو چھوڑ کر اسلام کی باتوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہونا ہے، ورنہ نام اسلام کا ہوگا اور کفر کی رو میں بہ جائیں گے۔ کوشش اسلام کے عروج کی ہوگی اور فروغ کفر و فسوق کو ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ مختصر یہ کہ :۔

(۱) ان تمام امور سے اجتناب کیا جائے جو فسق و عصیان اور کفر و طغیان کی طرف کشش کرتے ہیں۔ یعنی

الف :۔ ادبی رسالوں اور اخباروں کا مطالعہ بند کیا جائے جو دین سے بے ذوقی اور اخلاقی کمزوریاں پیدا کر رہے ہیں۔ اپنے بچوں اور بچیوں اور متعلقین کو مخرب عادات کتابیں اور رسائل پڑھنے سے باز رکھیں۔ اور اڈیٹران رسائل سے باادب گزارش کریں کہ وہ اس قسم کے مضامین اور تصاویر شائع نہ کریں جن سے بچوں کے اخلاق پر

بُرا اثر پڑے۔ بطور احتجاج ان رسالوں کی خریداری اور سرپرستی بند کردیں۔

ب :۔ آلات لہو و لعب گراموفون ریڈیو وغیرہ کو بالکل ترک کردیا جائے ورنہ کم از کم اتنا ضرور کیا جائے کہ انکے ذریعہ فحش باتیں فحش گانے کانوں میں نہ پڑیں اور اسکے سننے کے اوقات کو اسقدر محدود کردیا جائے کہ اس کی وجہ سے اوقات ضائع اور پراگندہ نہ ہوں۔

ج :۔ تھیٹر سینما۔ بائسکوپ وغیرہ لغویات کو خود بھی چھوڑیں اور اپنے متعلقین اور احباب کو بھی انکے دیکھنے سے منع کریں۔

د :۔ فضول خرچی اور اسراف سے خود بھی بچیں اور اپنے گھر کے چھوٹوں اور بڑوں کو بھی بچائیں اور ایسی سادہ معاشرت اختیار کریں جس سے اسلامی شان اور اسلاف کا نمونہ نمایاں ہو۔

ہ :۔ عورتوں اور بچیوں سے نہ اس قدر غفلت برتیں کہ وہ بالکل بے شعور رہیں اور نہ انکو اسقدر آزاد چھوڑیں کہ فتنہ بن جائیں بلکہ حدود شریعت اور حفاظتِ شرافت کا لحاظ رکھتے ہوئے انکو مذہبی۔ اخلاقی خانگی تعلیم و تربیت میں مشغول رکھا جائے بے حجابی، بے حیائی اور آوارگی سے روکا جائے۔

(۴) انسان کا طبعی تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی کام میں مشغول

رہے۔ اگر طبیعت کو مجبور کرکے اسکو اچھے مشاغل کا عادی بنا لیا جائے تو پھر وہ مشاغل اسکی طبیعت بن جاتے ہیں ورنہ طبیعت بیہودہ مشاغل میں پھنسکر انکی عادی ہو جاتی ہے یا پھر بے کاری کا مہلک مرض لاحق ہو جاتا ہے جس سے کم لوگ شفایاب ہوتے ہیں۔ اسلئے بیہودہ مشاغل کو چھوڑنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے کہ انسان اپنے کو زبردستی اچھے کاموں میں مشغول کرلے۔ پھر رفتہ رفتہ طبیعت خود انکی عادی ہو جائیگی اور ذوق صحیح پیدا ہو جائیگا مثلاً

الف:۔ عبادت الٰہی میں مشغول رہنا۔ ہر وہ کام جو خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شریعت محمدیہ کے موافق انجام دیا جائے عبادت ہے۔ چونکہ تمام دنیوی ضروریات خدا ہی کی لگائی ہوئی ہیں اور انکو پورا کرنے کا انسان مامور بھی ہے اسلئے اپنی تمام ضروریات کو خدا کا حکم سمجھ کر شریعت محمدیہ کے موافق اور خدا اور رسولؐ کی رضا کے لئے پورا کرے۔

اگر سارا وقت اس طرح نہ گذار سکے تو کوشش کرے کہ دن رات میں زیادہ سے زیادہ کام اللہ اور رسولؐ کی رضا کے لئے شریعت کے موافق ادا ہوں اور رات کو سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے کاموں کا محاسبہ بھی کر لیا کرے۔ الغرض

اور رسولؐ کی رضا ایک ہی چیز ہے۔ جس بات سے رسولؐ راضی اس سے خدا بھی راضی۔ اور یہ رضا شریعت محمدیؐ اور سنت نبویؐ کے اتباع بغیر حاصل ہونا محال ہے۔

ب:۔ فرائض خداوندی کو اہتمام اور عظمت کے ساتھ ادا کرنا۔ بالخصوص فرض نمازوں کو نہایت شغف و دلبستگی اور عظمت و وقعت کے ساتھ ادا کرنا جس قدر نماز کے ساتھ شیفتگی ہوگی اور وابستگی، اسی قدر فحش اور بری باتوں سے نفرت اور بیزاری ہوگی بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح ادا کرے، غفلت و مدہوشی سے اس کو ضائع نہ کرے۔

ج:۔ کچھ وقت روزانہ ادب و احترام کے ساتھ کلام ربانی کی تلاوت کرے، اگر معنی سمجھ سکتا ہو تو معنی اور مفہوم پر غور کرے ورنہ مجبوراً بغیر سمجھے ہی وقعت و عظمت ادب و احترام کے ساتھ تلاوت کرے۔

د:۔ کچھ وقت روزانہ درود و استغفار اور ذکر الٰہی میں بھی گذارے تاکہ اس کی نورانیت سے دل کا زنگ دور ہو اور خفتہ دل غفلت و مدہوشی سے بیدار ہو۔

۲:۔ مذہبی اور اخلاقی باتوں کو سیکھنا جس کی دو صورتیں ہیں:۔

اوّل:- ایسے متقی پرہیزگار بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا جو پابند شریعت اور متبع سنت ہوں جن کی مجالس جھوٹ۔ غیبت اور لوگوں کی برائیوں سے پاک ہوں اور دل اللہ اور رسُولؐ کی محبت سے سرشار ہو۔ ایسی صحبت کیمیا تاثیر ہوتی ہے جو پتھر کو بھی سونا بنا دیتی ہے۔ اگر ایسی صحبت نصیب نہ ہو تو بُری صحبت سے پرہیز زیادہ ضروری ہے۔ برائی جلد اثر کرتی ہے اور دیرپا ہوتی ہے۔

دوسرے:- مذہبی علمی۔ اخلاقی، تفسیر، حدیث۔ فقہ۔ تاریخ سیرت۔ اخلاق و تصوف کی معتبر اور مستند کتابوں کا خود بھی مطالعہ کرے اور اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی اسکی ترغیب دے۔ جب تک کہ مصنف کی دیانت امانت تقویٰ اور صلاحیت پر پورا اعتماد نہ ہو۔ اس کی کتاب کا مطالعہ خطرناک غلطی ہے۔ کتاب مصنف کے اثرات اور خیالات کا آئینہ ہوتی ہے اور انہی اثرات اور خیالات کو دل و دماغ میں بٹھاتی ہے۔ بالخصوص مذہبی کتابوں میں ان زہریلے اثرات سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مذہبی کتابوں کا مطالعہ تفریح طبع یا وقت گذاری کے لئے نہ ہو، بلکہ اسلئے ہو کہ خدا اور رسُولؐ کے احکام معلوم ہوں اور اسکے مطابق عمل ہو تاکہ پوری زندگی شریعت محمدیہ کے سانچے

میں ڈھل جائے اور اسلام کا مجسم نمونہ بن جائے۔

یہ چند باتیں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور عروج کا اصلی زینہ ہیں۔ اگر اس راہ پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کی گئی تو قوی امید ہے کہ بہت جلد منزلِ مقصود پالیں گے اور وہ تمام خرابیاں جن سے مسلمان تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور آفتاب اسلام ماند پڑ رہا ہے خود ہی ملیامیٹ ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

مگر اس کے لئے کچھ قربانی، دل سوزی اور جانبازی درکار ہے تاکہ از سرِ نو امتِ مسلمہ کا رُخ سدھا ہو اور وہ انقلابِ عظیم رونما ہو جائے جس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سوتی ہوئی دنیا کو جگا یا تھا۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

(اقبال)

ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین رح۔ نئی دہلی ۱۳
محبوب المطابع برقی پریس دہلی